بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ اقبال کا تصور وطن وقومیت

پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف

صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور

یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انسان اس سرزمین پر کب سے آباد ہے۔ انسانی اعداد وشمار اور سائنسی تحقیق کے مابین...... لاکھوں سالوں کا فرق ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب انسان نے پڑھنا لکھنا شروع کیا...... اس وقت انسان غاروں اور دریاؤں کی پناہ گاہوں سے نکل کر کچے پکے مکانوں میں آباد ہو چکا تھا...... اور انسانوں کی بہت بڑی تعداد خانہ بدوشی چھوڑ کر قصبوں اور شہروں میں سکونت اختیار کر چکی تھی۔

قصبوں سے شہر، شہروں سے معاشرے اور معاشروں سے حکومتیں وجود میں آئیں...... اور یوں دنیا میں آہستہ آہستہ وطن اور قومیت کا تصور پیدا ہوا۔ اور شاعروں نے اپنی محبوبہ کے کھنڈروں اور غیر آباد دریاؤں کے بجائے اپنے شہروں اور اپنے وطن کے گیت گانے شروع کر دیئے۔

جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی اس وقت عرب میں شہری تہذیب وتمدن جنم لے چکی تھی، لیکن عرب شاعروں کی اکثریت وطن اور قومیت کے معاملے میں اپنی اسی پرانی وضع قطع اور اپنی اسی پرانی ڈگر پر گامزن تھی، حتیٰ کہ حضرت حسان بنؓ ثابت (م ۶۰ ھ) جیسے شعراء نے بھی جنھوں نے شاید صحرائی اور خانہ بدوشانہ زندگی کا کبھی مزہ نہیں چکھا تھا، اپنے قصائد کی ابتداء ایسے ہی انداز سے کی ہے اور ان کے ہاں بھی کھنڈروں اور اجڑے ہوئے دیار حبیب کا تصور بڑی عمدگی کے ساتھ ملتا ہے، مثلاً وہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں:

عفت ذات الاصابع فالجواء
الی عذراء منزلها خلاء
دیار من بنی الحسحاس قفر
تعفیها الروامس والسماء (۱)

(ذات الاصابع اور الجواء سے عذراء تک کا علاقہ کھنڈر اور بے آباد ہے۔ بنو الحسحاس کا علاقہ ویران ہے، اسے ہوائیں اور بارش، ہر آن مٹا رہے ہیں)۔

اس قصیدے میں انہوں نے تشبیب کا طریقہ اپناتے ہوئے اپنی خیالی محبوبہ کے کھنڈروں کا ایسا نقشہ پیش کیا ہے کہ اس کا پڑھنے اور سننے والا خواہ مخواہ رنجیدہ اور غم زدہ ہو جاتا ہے۔

جب دنیا میں اسلام کا طلوع ہوا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لیے رحمت اور نعمت الٰہی بن کر تشریف لائے اس وقت تک عربوں کے ہاں وطن اور وطنیت کا تصور اتنا راسخ ہو چکا تھا کہ پورا جزیرۂ عرب مختلف قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم شدہ نظر آتا ہے۔ انتہاء یہ ہے کہ لوگوں نے پہاڑوں اور صحراؤں کے نام بھی وہاں آباد لوگوں کے نام پر رکھ دیئے تھے اور اسی ماحول اور اس معاشرے میں کسی شخص کی جلاوطنی کے معنی یہ تھے کہ قبیلے نے اسے سب سے زیادہ سخت سزا صادر کر دی ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے دوسری جگہ جا کر زندہ رہنا اور باعزت زندگی بسر کرنے کا تصور بھی نہ تھا۔

وطن اور وطنیت کا تصور کب اور کہاں سے پیدا ہوا۔ یہ مسئلہ ابھی تحقیق طلب ہے، تاہم ہمارا خیال یہ ہے کہ وطن کی محبت کا تصور...... شہروں اور قصبوں کی تعمیر و تشکیل ہونے کے بعد پیدا ہوا اسی بنا پر عربی زبان میں وطن کے معنی المنزل تقیم به وهو وطن الانسان و محله ہے۔ (۲)

لیکن چونکہ یہ بات اسلام کی عالمگیریت کے تصور کے منافی تھی۔ اسی لیے جب اسلام نے اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ترک وطن (ہجرت) کا تصور دیا تو یہ بات کچھ لوگوں کی طبیعت پر بڑی شاق گذری، تاہم اسلام کی خاطر انہوں نے وطن جیسے محبوب شے کی قربانی دینے سے بھی گریز

نہ کیا۔ اسی لیے اس موقع پر اسلام نے عالمگیر وطن اور عالمگیر برادری کا نظریہ دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (۳)

دوسری جگہ ہجرت کے لیے ارض خداوندی کو وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا. (۴)

''بلاشبہ وہ لوگ کہ جن کی فرشتے اس حال میں جانیں قبض کرتے ہیں کہ وہ خود پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں تم کس حال میں رہے، وہ کہیں گے ہم زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے وہ (فرشتے) کہیں گے کیا اللہ کی زمین خوب کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔''

اسی عالمگیر تصور وطن کے تحت...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اور مدینہ منورہ کو اپنا وطن بنایا...... تاہم متعدد ایسی احادیث ملتی ہیں جن سے مکہ مکرمہ اور مدینہ سے محبت وقلبی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ما اطیبک من بلد واحبک الیّ ولولا ان قومی اخرجوک منک ماسکنت غیرک (۵)

(اے مکہ تو تمام شہروں سے زیادہ پاکیزہ اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اگر میری قوم نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے علاوہ کسی اور جگہ کبھی سکونت اختیار نہ کرتا)۔

ایک اور صحابی حضرت عبداللہ بن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حزورہ پر کھڑے ہوکر...... مکہ مکرمہ سے یہ کہتے ہوئے سنا:

واللہ انک خیر ارض اللّٰہ واحب ارض اللہ الی اللہ عزوجل ولولاانی اخرجت منک ماخرجت. (٦)

(اے مکہ اللہ کی قسم تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر اور مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا گیا ہوتا تو میں تیرے علاقے سے کبھی باہر نہ نکلتا)۔

تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلام میں بالکل ہی وطن کا تصور نہیں ہے، اس لیے کہ بعض مہاجر صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ کی محبت میں اشعار پڑھتے تھے اور اس کو دیکھنے اور اس کی گلیوں میں گھومنے پھرنے کے لیے بے تاب رہتے تھے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حال یہ تھا کہ آپ جب سفر سے واپس مدینہ منورہ آتے تو مدینہ منورہ کے پہاڑوں خصوصاً...... جبل احد کو دیکھ کر اپنی سواری کو تیز کر لیتے تھے اور آپ یہ فرمایا کرتے تھے:

ھذا جبل یحبنا ونحبہٗ.

یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس پہاڑ سے محبت کرتے ہیں۔

پھر ''شہروں'' اور قصبوں سے ہی وطن اور وطنیت کا تصور پیدا ہوا...... اسی بنا پر نامور عربی شاعر رؤبہ کہتے ہیں:

اوطنت وطنا لم یکن من وطنی
لولم تکن عاملھا لم اسکن
بھاولم ارجن بھا فی الرجن

اسی شاعر نے صراحت کے ساتھ اپنے وطن عراق کا بھی ذکر کیا ہے، وہ کہتا ہے:

تری اھل العراق اننی
اوطنت ارضا لم تکن من وطنی (٧)

۲۔ وطن اور وطنیت کا دوسرا دور

عہد قدیم میں وطن اور وطنیت کا تصور محدود اور کسی قدر مبہم تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ یہ دور سلطانی وملوکیت کا دور تھا اور اس دور میں جغرافیائی اور وطنی حدود وقیود کا تصور...... حکومتوں اور بادشاہوں کی تبدیلی کے تحت تبدیل ہوتا رہتا تھا، ایک شہر آج ایک مملکت میں ہے تو کل کو اس پر کسی دوسرے بادشاہ یا حاکم یا سلطان کا قبضہ ہو جانا ممکن تھا۔ اسی لیے اس دور میں وطن اور قومیت کا تصور صرف معروف شہروں اور قصبوں تک محدود تھا۔

پھر وقت کے ساتھ ساتھ وطن اور قومیت کے تصورات بدلتے اور تبدیل ہوتے رہے...... یہاں تک کہ انسانی تہذیب وتمدن ...... اپنے بام عروج پر پہنچ گئی اور دنیا سے بادشاہتوں کا خاتمہ ہو کر جمہوری دور آ گیا...... اور ''وطن اور قومیت'' کے تصور میں ایک نئی جان اور ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ اب کسی قوم کا دوسرے ملک یا اس کے کسی حصے پر تادیر قابض رہنا اور دنیا کے نقشے یا اس کے جغرافیے کو تادیر خراب کرنا ممکن نہیں رہا۔ اسی لیے اس دور میں وطن اور قومیت کے متعلق نئے اور جامع تصورات نے جنم لیا اور وطن اور قومیت کے گیت لکھنا اور اس کے حق میں اشعار کہنا شاعروں کی روایت سی بن گئی۔

ایک اچھے اور کامیاب شاعر سے قوم یہ توقع کرنے لگی کہ وہ اپنی قوم اور اپنے وطن کے متعلق بھی اپنے اشعار کے ذریعے ضرور لوگوں کے دلوں کو گرمائے گا۔

۳۔ وطن اور قومیت کا تصور...... علامہ اقبال کے اشعار میں

کچھ ایسے ہی حالات تھے، جب علامہ اقبالؒ نے انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ہندوستان میں آنکھ کھولی...... (۱۸۷۷۔۱۹۳۸ء) اور ابتدائی تعلیم وتربیت سیالکوٹ اور لاہور سے حاصل کی۔ علامہ اقبالؒ کے زمانے میں ہندوستان پر ایک ہزار سالوں زیادہ عرصے تک حکومت کرنے والے مسلمان ایک دفعہ پھر ''بے وطن'' ہو گئے اور ان کے ساتھ صدیوں سے آباد اور ان کی

صدیوں سے خدمت کرنے والے ہندو...... انہیں ''بے وطنی'' کا طعنہ دینے لگے۔ اسی لیے ہمیں علامہ اقبال کی نثر ونظم کے موضوعات میں سے ایک اہم موضوع۔ وطن اور قومیت کا تصور بھی ہے.

علامہ اقبال کو اللہ تعالیٰ نے بڑا تیز اور طاقت ور ذہن عطا فرمایا تھا۔ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دکھ اور ان کے کرب کو اپنے دل میں محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم خود افتخاری کے جذبے سے سرشار یورپ کی دانش گاہوں میں حاصل کی تھی۔ یہ دونوں عالمی جنگوں سے پہلے کا یورپ تھا...... فخر اور غرور کی تمکنت سے بھرپور اور دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھنے والا یورپ تھا ...... اس وقت یورپ کے مختلف ملکوں میں ''قومیت'' (Nationalism) کی تحریکیں عروج پر تھیں، علامہ اقبال نے یورپ کو بہت قریب سے جا کر دیکھا تھا۔ وہ ان کی تمام اچھائیوں اور برائیوں کے عینی گواہ تھے۔ علامہ کو یورپ میں جا کر اس بات کا احساس ہوا تھا کہ ان کی قوم جذبہ ایمان سے تو محروم ہے ہی، وہ جذبہ حب الوطنی سے بھی عاری ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے کلام میں وطن سے محبت کا درس دیا اور اپنے وطن سے محبت کے گیت گائے ہیں.

علامہ اقبال کے ہاں اس میں وطن اور قومیت کے تصور کے کئی مراحل نظر آتے ہیں.

(الف) ان کے تصور وطن کا پہلا دور:

ان کے ہاں وطن سے محبت کا پہلا دور یورپ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے گزارا جانے والا دور ہے۔ علامہ اقبال اس وقت شعور اور آگہی کے مراحل سے گذر کر پختہ کاری کے مرحلے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ اس وقت اگرچہ مغرب میں تھے، لیکن ان کی یادوں اور محبتوں کا محور ومرکز...... ان کا وطن تھا۔ جہاں ان سے محبت کرنے والے لوگ تھے۔ ان کی والدہ تھیں، ان کے بھائی تھے اور ان کے خاندان کے لوگ تھے۔ اسی لیے اس دور میں انہوں نے وطن سے دوری پر ہجر کے اشعار کہے ہیں...... اور اپنے وطن کو محبت اور الفت کے جذبے سے یاد کیا ہے۔ اس دور کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یاد وطن فسردگیٔ بے سبب بنی
شوقِ نظر کبھی، کبھی ذوق طلب بنی(۸)

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں
غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں

چھوڑ کر مانند بو، تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزم جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں(۹)

....

بس کہ میں افسردہ دل ہوں درخور محفل نہیں
تو مرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
قید ہے دربار سلطان و شبستان وزیر
توڑ کر نکلے گا زنجیر طلائی کا اسیر

....

رخصت اے بزم جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں(۱۰)

....

بیابانِ محبت دشت غربت بھی، وطن بھی ہے
یہ ویرانہ قفس بھی، آشیانہ بھی، چمن بھی ہے(۱۱)

....

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن
ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے موجزن (۱۲)

....

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفر آیا؟
غربت میں آ کے چمکا، گمنام تھا وطن میں؟ (۱۳)

....

آسمان کیا، عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صدچاک کفن ہے میرا (۱۴)

....

کس کو ہوگا اب وطن میں آہ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار؟ (۱۵)

....

اجاڑا ہے تمیز ملّت و آئین نے قوموں کو
مرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے؟ (۱۶)

۲۔ وطن سے محبت کا دوسرا دور

اس وقت علامہ اقبال ذاتی ارتقا کے دور سے گذر رہے تھے اور وطن اور قومیت کے بارے میں ان کے زیادہ تر خیالات روایتی نوعیت کے تھے، وہ اپنے دل و دماغ میں وطن کی اور اہل وطن کی محبت محسوس کرتے۔ انہیں وطن میں انہوں کی یاد ستاتی۔ وہ جب مغرب اور اہل مغرب کو ترقی سے سرشار دیکھتے تو ان کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوتی کہ کاش ان کے اپنے وطن میں بھی اس طرح ترقی کی ہوا چلے اور وہاں بھی شعور و آگہی کی محفلیں گرم ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کچھ عرصہ...... ''قوم پرستی'' کے اس جذبے سے بھی دوچار ہوے، جسے اس وقت یورپ سمیت دنیا کے

اکثر ملکوں میں پذیرائی حاصل تھی اور دنیا کے مختلف قومیں اسی جذبے سے سرشار ہو کر تعمیر و ترقی کی منازل طے کر رہی تھیں......اس دور میں علامہ اقبال نے ہندوستان سے محبت کے اشعار کہے ہیں۔ یہ دور علامہ اقبال کی زندگی کا قومیت پرستی کا دور ہے۔ اس دور سے متعلق چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

ہمنشین نرگس شہلا، رفیق گل ہوں میں
ہے چمن میرا وطن، ہمسایہ بلبل ہوں میں(۱۷)

....

ہم وطن شمشاد کا ، قمری کا میں ہمراز ہوں
اس چمن کی خامشی میں گوش بر آواز ہوں(۱۸)

....

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے(۱۹)

۳۔ تصور وطن کا تیسرا دور

بالآخر حکیم الامت علامہ اقبال...... وطن اور قومیت کے ضمن میں اس تصور تک جا پہنچے۔ جو اسلام کا مطمح نظر ہے۔ جس کے تحت ارشاد پاک ہے:

ان الارض للّٰہ (۴ الف) تمام زمین اللہ کی ہے۔

نیز فرمایا:

ارض اللہ واسعۃ. اللہ کی زمین بڑی کشادہ ہے۔

چنانچہ اس آخری دور میں......اپنے اشعار کے ذریعے انہوں نے وطن کا عالمگیر تصور پیش کیا۔ اس دور میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ظاہری وطن کو پتھر کی ایک مورتی اور ایک دیوتا تصور کیا ہے اور وطن کے ایسے تصور کو جو قومیت اور Nationlism سے پیدا ہوتا ہے، شرک اور کفر سے تعبیر کیا ہے اور وطن اور وطنیت کا وہ عالمگیر اور وسیع تصور پیش کیا ہے جو اسلام کے ''ارض اللہ واسعۃ'' کے تصور سے ہم آہنگ ہے۔

علامہ اقبالؒ نے......آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کے موقع پر اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

حب وطن ایک فطری امر ہے اور اسی لیے انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک جزو ہے لیکن جو شے سب سے زیادہ ضروری ہے وہ انسان کا مذہب اس کا تمدن اور اس کی ملی روایات ہیں، یہی وہ چیزیں ہیں جن کے لیے انسان کو زندہ رہنا چاہیے اور جن کی خاطر اپنی جان کی قربانی دینی چاہیے۔(۲۰)

یورپ کے نظریۂ وطنیت کو ہدف تنقید بناتے ہوئے......علامہ اقبال نے لکھا ہے:

میں یورپ کے نظریۂ وطنیت کا مخالف ہوں، اس لیے نہیں کہ اگر اسے ہندوستان میں نشو ونما پانے کا موقع ملے تو مسلمانوں کو مادی فوائد کم ملیں گے بلکہ میری مخالفت اس بنا پر ہے کہ میں اس کے اندر ملحدانہ مادیت پرستی کے بیج دیکھتا ہوں، جو میرے نزدیک انسانیت کے لیے ایک عظیم ترین مظہر ہے۔''(۲۱)

الغرض علامہ اقبال کا نظریۂ وطن اور قومیت پوری طرح اسلام کے تصور قومیت عن کے مطابق تھا اور اسی کی انہوں نے زندگی بھر دوسروں کو تعلیم دی۔ اپنے اشعار میں بھی انہوں نے اپنے انہی تصورات کو اجاگر کیا ہے۔

اس دور میں انہوں نے جو اشعار کہے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہے:

چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا(۲۲)

بستۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زباں
نوعِ انسان قوم ہو میری ، وطن میرا جہاں (۲۳)

....

وطن کی فکر کرنا داں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں (۲۴)

....

اجاڑا ہے تمیز ملت و آئین نے قوموں کو
میرے اہل وطن کے دل میں کچھ فکر وطن بھی ہے؟ (۲۵)

....

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھکو ہر ذرّہ دیوتا ہے (۲۶)

....

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے (۲۷)

....

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورتِ ماہی
ہے ترک وطن سنّت محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے (۲۸)

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا(۲۹)

....

بڑھ کے خیبر سے ہے، یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدر کرارؓ بھی ہے(۳۰)

....

غدار وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر!(۳۱)

....

مجبور ہوئی جاتی ہوں میں ترک وطن پر
بے ذوق ہیں بُلبل کی نواہائے طربناک!(۳۲)

....

شاید تو سمجھتی تھی وطن دور ہے میرا
اے قاصدِ افلاک! نہیں دور نہیں ہے!(۳۳)

....

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت(۳۴)

....

کیا بدنصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں
ساتھی تو ہیں وطن میں، میں قید میں پڑا ہوں(۳۵)

....

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
زدیو بند حسین احمد این چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است
بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

ان تمام اشعار پر غور کرنے سے فکر ونظر کے نئے جہان کھلتے ہیں اور مسلمانوں کے سوچنے کا میدان وسیع ہوتا ہے۔

جہاں تک آخری بند کا تعلق ہے جو علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کی ایک تقریر کے جواب میں کیا ہے۔ اس پر بڑی بحث ہو چکی ہے کہ دونوں بزرگوں کے مابین اختلافی نقطہ کیا تھا......

اس واقعے کی حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی نے ۸۔ جنوری ۱۹۳۸ء ۶ ذوالقعدہ ۱۳۵۶ء کو صدر بازار دہلی میں ایک جلسۂ عام کے دوران تقریر کی، جس میں انہوں نے فرمایا:

''موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔''(۳۶)

مولانا کے ان الفاظ کو خاص طور پر ہندو اخبارات نے توڑ مروڑ کر شائع کیا اور ظاہر کیا کہ مولانا نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔

اس پر علامہ اقبال نے مذکورہ بالا اشعار کہے، علامہ اقبال کے ان اشعار پر ہندوستان بھر میں زبردست ردِّ عمل ہوا اور مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ اس پر ایک اسکالر علامہ عبدالرشید، المعروف بہ علامہ طالوت نے دونوں بزرگوں سے رابطہ کیا اور خط و کتابت کے ذریعے دونوں کو ایک دوسرے کے موقف سے آگاہ کیا۔ جس پر دونوں نے اپنے اپنے الفاظ واپس لے لیے...... چنانچہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبارات میں مولانا کے یہ الفاظ شائع ہوئے۔

''میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ دنیا

ہیں قومیں وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں مگر اسلام میں ایسا نہیں ہے۔''

اسی روز کے اخبارات میں علامہ اقبال کے یہ الفاظ شائع ہوئے:

''مجھے اس اعتراف کے بعد، ان پر اعتراض کا کوئی حق نہیں بنتا''۔ (۳۷)

الغرض علامہ اقبال کے ہاں وطن اور قومیت کا تصور بڑا مستحکم تصور ہے اور اسی تصور کو مزید اجاگر کرنے کے لیے آپ فرماتے ہیں:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

☆☆☆

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دیکھیے دیوان حسان بن ثابت، قصیدہ عفت ذات الاصابع، ج۱/۱۷، مطبوعہ مکتبہ العلمیہ، لاہور

۲۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب ۳۳۸/۱۵

۳۔ القرآن الکریم، الزمر: ۱۰/۳۹)

۴۔ النساء: ۹۷/۴

۵۔ البخاری، ۴۶۰/۳، کتاب الحج، (۲۵)، باب (۴۹) حدیث ۱۳۹۶ (مع فتح الباری۔ بیروت)

۶۔ احمد بن حنبل، مسند ۳۰۵/۵؛ الترمذی، السنن، ۲۳۹/۲، کتاب المناسک، حدیث ۳۹۲۵

۷۔ لسان العرب ۳۳۸/۱۵

۸۔ شمع، ص ۴۵

۹۔ رخصت اے بزم جہاں، ص ۶۳

۱۰۔ رخصت اے بزم جہاں، ص ۶۴

۱۱۔ تصویرِ درد، ص ۷۵

۱۲۔ چاند، ص ۷۸

۱۳۔ جگنو، ص ۸۴

۱۴۔ صبح کا تارا، ص ۸۵

۱۵۔ والدہ مرحومہ کی یاد میں

۱۶۔ مہدی، ص ۵۲۱

۱۷۔ رخصت اے بزم جہاں، ص ۶۴

۱۸۔ رخصت اے بزم جہاں، ص ۶۵

۱۹۔ ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، ص ۸۷

۲۰۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، نقوش اقبال، ص ۲۸۰

۲۱۔ کلیم نشر، نظریات اقبال، ص ۶۹

۲۲۔ ترانہ ملی، ص ۱۵۹

۲۳۔ آفتاب صبح، ص ۴۹

۲۴۔ تصویر درد، ص ۷۱

۲۵۔ تصویر درد، ص ۷۶

۲۶۔ نیا شوالہ، ص ۸۸

۲۷۔ وطنیت، ص ۱۶۰

۲۸۔ وطنیت، ص ۱۶۰

۲۹۔ جواب شکوہ، ص ۲۰۵

۳۰۔ دن نمبر ۴۳، ص ۲۵۶

۳۱۔ ہندی مسلمان، ص ۴۸۸

۳۲۔ نسیم، ص ۵۷۸

۳۳۔ پھول، ص ۵۸۱

۳۴۔ پرندے کی فریاد، ص ۳۷

۳۵۔ پرندے کی فریاد، ص ۳۷

۳۶۔ جانباز مرزا، کاروان احرار، ج ۳، ص ۲۴۶

۳۷۔ دیکھیے روزنامہ احسان، لاہور ۲ مارچ ۱۹۱۹ء، کاروان احرار، ج ۳، ص ۲۶۲، قاضی افضل حق قریشی، اقبال کے ممدوح علماء، ص ۷۵ تا ۹۰